انجیل کے بارہ میں امام فراہیؒ کا نقطۂ نظر

الطاف احمد اعظمی

قبل اس کے کہ ہم انجیل کے بارہ میں امام فراہیؒ کے نقطۂ نظر کا جائزہ لیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انجیل سے متعلق بعض بنیادی امور کی وضاحت کر دی جائے یعنی اُس کا مادۂ اشتقاق، اس کے لغوی معنی اور اس کی صحت کے متعلق علماءِ اسلام کی رائیں وغیرہ تاکہ اس باب میں مولانا فراہیؒ کے خیالات کی اہمیت اور افادیت پورے طور پر واضح ہو سکے۔

انجیل کا مادۂ اشتقاق :

اس سلسلے میں ایک خیال یہ ہے کہ انجیل عبرانی یا سریانی زبان کا لفظ ہے، اور دوسرا خیال ہے کہ یہ عربی لفظ ہے۔ جو لوگ اس کو عربی الاصل بتاتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ اِکلیل اور اِخریط کے وزن پر ہے اور لفظ نَجْل سے مشتق ہے۔ نَجَلَ الشَّیَ (یَنْجُلُہ نَجْلاً) کے معنی ہیں اسے ظاہر اور روشن کیا۔ نَجْل کے معنی اصل، بنیاد، چشمہ اور جمع ہونے کے بھی ہیں[۱]۔

لیکن صاحب تاج العروس اور دوسرے اصحاب لغت نے اس مادہ اشتقاق کو تسلیم نہیں کیا ہے[۲]۔ عربی میں اس کی ایک قرأت اَنجیل بفتح ہمزہ بھی کی گئی ہے۔ یہ بات اس کے عجمی ہونے کی دلیل ہے کیوں کہ اَفعیل کا وزن عربی اوزان میں داخل نہیں ہے۔ علامہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ/۱۱۴۳ء) لکھتے ہیں :

"توریت اور انجیل دونوں عجمی لفظ ہیں۔ جن لوگوں نے اس کا مادۂ اشتقاق وَرْی اور نَجْل اور ان کا وزن تفعلۃ اور اِفعیل بتایا ہے انھوں نے تکلف سے کام لیا ہے۔ یہ دونوں باتیں اسی وقت صحیح ہو سکتی ہیں جب یہ دونوں عربی لفظ ہوں۔

حضرت حسن بصری نے اس کی قرأت أنجیل بفتح همزه کی ہے جو اس کے عجمی ہونے
کی دلیل ہے کیونکہ أفعیل بفتح همزه اوزان عرب میں شامل نہیں ہے۔[۳]

علامہ بیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ ۱۲۸۶ء) نے انوار التنزیل میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔[۴]
مفتی محمد عبدہ (متوفی ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۵ء) نے جو متاخرین علما التفسیر کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں،
اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔[۵]

اب اگر یہ عجمی لفظ ہے تو کس زبان کا ہے؟ ایک رائے ہے کہ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے[۶] اور اس کی تائید میں یہ دلیل دی گئی ہے کہ جو اناجیل سریانی زبان میں شائع ہوئی ہیں وہ EVANGELION کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ عربی میں انجیل کے قدیم ترین تراجم سریانی ہی سے ہوئے ہیں۔ دوسری رائے ہے اور یہی راقم کے نزدیک صحیح ہے، کہ انجیل یونانی زبان کا لفظ ہے اور وہیں سے سریانی میں اور سریانی کی وساطت سے عربی میں آیا۔[۷]

لغوی معنی:

انگریزی میں انجیل کا ترجمہ Gospel کیا جاتا ہے۔ یہ قدیم انگریزی لفظ GODSPEL (گڈسپل) سے مشتق ہے۔ یہ دو لفظوں سے مرکب ہے GOD اور SPEL، GOD (گڈ) کے معنی اچھا اور SPEL (اسپل) کے معنی خبر کے گویا GODSPEL کے معنی ہوئے اچھی خبر (بشارت)۔ انگریزی کا یہ قدیم لفظ دراصل EVANGELIUM کا ترجمہ ہے جو یونانی لفظ EUA-GGELION کی لاطینی شکل ہے۔

قدیم یونانی لٹریچر میں EUAGGELION کے معنی میں ہر وہ چیز داخل تھی جس کا تعلق EUA GGELOS سے ہوتا تھا جس کے معنی اچھی خبر لانے والے قاصد کے ہیں۔ یہ دو لفظوں سے مرکب ہے، EU اور AGGELOS۔ ایو کے معنی اچھا اور اگیلوس کے معنی قاصد یا مُعلن کے ہیں۔[۸]
انگریزی میں ANGEL اسی لفظ سے ماخوذ ہے۔
آگے چل کر یہ لفظ ہر اس بات کے لیے استعمال کیا جانے لگا جس کا تعلق بادشاہ

سے ہوتا تھا بالخصوص شاہی خاندان میں ولادت اور بادشاہ کی تخت نشینی وغیرہ کے اعلانات یہاں تک کہ اس کا اطلاق شاہی فرامین پر بھی ہوتا تھا[۹] بہرحال اس بحث سے واضح ہے کہ یونانی لفظ EVANGELION کے لغوی معنی بشارت اور خوش خبری کے ہیں.

انجیل کی زبان :

انجیل سب سے پہلے یونانی زبان میں مرتب کی گئی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان بھی یونانی تھی۔ اکثر اہل علم کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مادری اور مذہبی زبان عبرانی تھی۔ لیکن رینن (RENAN.) جیسے محقق کی رائے ہے کہ یہ عبرانی آمیز سریانی تھی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواری آرامی زبان بولتے تھے[۱۰] ڈاکٹر MOSES BUTTEN WIESER نے جو عبرانی زبان کے پروفیسر تھے، لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں آرامی زبان بولی جاتی تھی[۱۱]۔

انجیل کی تاریخی حیثیت :

اکثر علماء اسلام کا خیال ہے کہ اصل انجیل جو حضرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی وہ اب موجود نہیں ہے۔ آج جن کتابوں یعنی مَتی، مُرقس، لُوقا اور یُوحنا کو انجیل کہا جاتا ہے وہ حضرت عیسیٰؑ کے بہت بعد ان کے متبعین نے مرتب کی ہیں۔ اس مکتب فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے امام رازی لکھتے ہیں :

> "اس ابتری کے زمانہ میں اصل انجیل جو اللہ نے نازل فرمائی تھی وہ تو ضائع ہو گئی اس میں سے صرف چند حصے ہی بفضل خدا باقی ہیں اُنہی کی روشنی میں ان پر حجت تمام کی جا سکتی ہے[۱۲]"

علامہ رشید رضا بھی اسی خیال کے حامی تھے، لکھتے ہیں :

> "چوتھی صدی عیسوی میں متعدد اناجیل موجود تھیں جن میں سے چار انجیلیں منتخب کر کے موجودہ عہد نامۂ جدید میں شامل کر لی گئی ہیں۔ ان کتابوں کو ہم وہ

انجیل نہیں کہہ سکتے ہیں جس کا ذکر قرآن میں ہر جگہ صیغہ واحد سے کیا گیا ہے اور جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل کی گئی تھی۔"[13]

اس سلسلے میں ایک ہندی عالم و مفسر مولانا عبدالحق حقانی کے خیالات بھی ملاحظہ ہوں:

"آنحضرت کے زمانے میں دراصل توارت اور انجیل موجود نہ تھی۔۔۔۔ موجودہ فرضی مجموعے کو وہی توارت اور انجیل بتانا محض کم فہمی اور دھوکا ہے۔"[14]

علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ موجودہ اناجیل باعتبار صحت مشکوک ہیں۔ مسعودی (متوفی ۳۴۵ھ/۹۵۶ء) البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء) علامہ ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء) امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) شیخ شہاب الدین سہروردی صاحب عوارف المعارف (متوفی ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء) امام ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ/۱۳۲۵ء) اور علامہ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) نے اپنی تحریروں میں یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب "الجوابُ الصحیح لِمَن بَدَّلَ دِینَ المسیح" میں، علامہ ابن قیمؒ نے ھدایۃ الحَیاری میں اور ہندی عالم مولوی رحمت اللہ کیرانوی نے ازالۃ الشکوک[15] میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ موجودہ اناجیل لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے محرّف ہیں۔[16]

امام فراہیؒ کا نقطۂ نظر:

متقدمین علماء میں امام ابن تیمیہؒ اور متاخرین علماء میں امام فراہیؒ اس اعتبار سے درجۂ امتیاز رکھتے ہیں کہ وہ عبرانی زبان سے واقف تھے۔ موخرالذکر کی واقفیت کے شواہد ان کی تحریروں میں بکثرت موجود ہیں۔ اپنی مایۂ ناز کتاب "الرای الصحیح فی مَن ھوالذَّبیح" میں امام فراہیؒ نے "مروہ" کی جو تحقیق کی ہے وہ عبرانی زبان سے واقفیت کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اسی طرح "امعان فی اقسام القرآن" میں عبرانی لفظ "یمین" بمعنی قسم کے انگریزی ترجمہ پر انھوں نے جو نقد کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبرانی زبان سے واقف ہی نہیں تھے بلکہ اس پر ان کی گرفت کافی مضبوط تھی۔

انجیل کے معنی اور اس کی زبان :

ہم شروع میں بتا چکے ہیں کہ انجیل یونانی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی بشارت کے ہیں۔ امام فراہیؒ نے "الاکلیل فی شرح الانجیل" کے نام سے ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن افسوس کہ وہ نا تمام رہا۔ یہ نا تمام رسالہ ۹ صفحات پر مشتمل ہے اور ان کے ذخیرۂ مخطوطات میں موجود ہے۔ اس کے مقدمہ میں انھوں نے انجیل کے معنی اور مسیح علیہ السلام کی بعثت کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

إنّ المسیح جاءَ مُبَشّرا ببعد النبیّ و بعثته
وسوّی له الطریق کما قال ولذالک
سمّی کتابه انجیلاً ای بُشریٰ وضرب
امثالاً کثیرةً علی سلب الشریعة
الالٰهیة من الیهود وبشّر بنبیّ
یاتی بعده"[17]

مسیح علیہ السلام آخری پیغمبر اور ان کی بعثت کی خوشخبری دینے والے کی حیثیت سے تشریف لائے تھے اور ان کے لیے راستہ ہموار کیا جیسا کہ انھوں نے انجیل میں فرمایا ہے اور اسی لیے انھوں نے اپنی کتاب کا نام انجیل رکھا یعنی بشارت اور یہود سے شریعت الٰہیہ کے چھن جانے سے متعلق بہت سی مثالیں دے کر اپنے بعد ایک آنے والے نبی کی بشارت دی ہے۔

انجیل کی زبان کے سلسلے میں امام فراہیؒ کا خیال ہے کہ وہ عبرانی تھی[18] لیکن ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے تدبر قرآن میں لکھا ہے کہ وہ سریانی تھی[19]۔

انجیل کی حیثیت :

اکثر علماء اسلام انجیل کی حیثیت متعین کرنے میں غیر شعوری طور پر افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ہیں۔ کسی کے نزدیک اس کی حیثیت میلاد نامہ سے زیادہ نہیں[20] اور کسی نے ایک آسمانی کتاب کی حیثیت سے اسے ہر خطا اور نقص سے مبرا قرار دیا ہے[21]۔ امام فراہیؒ نے

اس معاملہ میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ راقم کے نزدیک مبنی بر اعتدال اور قرین حق و صواب ہے۔

امام فراہیؒ کے نزدیک اصل و اساس کی حیثیت صرف قرآن مجید کو حاصل ہے اس کے سوا جو چیز بھی ہے اس کی حیثیت فرع کی ہے۔ انھوں نے تین چیزوں کو فرع کے درجہ میں رکھا ہے احادیث، قوموں کے ثابت شدہ اور متفق علیہ حالات اور گذشتہ انبیاء کے صحیفے جو محفوظ ہیں۔ اس سلسلے میں وہ مقدمہ تفسیر نظام القرآن میں لکھتے ہیں:

"اگر احادیث، تاریخ اور قدیم صحیفوں میں ظن و وہم کو دخل نہ ہوتا تو ہم ان کو فرع کے درجہ میں نہ رکھتے بلکہ سب کی حیثیت اصل کی قرار پاتی اور سب بلا اختلاف ایک دوسرے کی تائید کرتے"[۱۲۵]

اس اقتباس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ دوسرے مذہبی صحیفوں کی طرح انجیل کی حیثیت بھی امام فراہیؒ کے نزدیک فرع کی تھی۔

تحریف انجیل:

دیگر علماء اسلام کی طرح امام فراہیؒ بھی اس بات کے قائل تھے کہ انجیل میں حذف و اضافہ ہوا ہے، فرماتے ہیں:

"ہمارے علماء کا یہ دعویٰ ہے اور مسیحی علماء بھی اس دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں کہ اصل انجیل مفقود ہو چکی ہے۔ ہمارے ہاتھوں میں آج جو چیز انجیل کے نام سے نام سے موجود ہے اس کی حیثیت محض ترجمے کی ہے جس میں مسیح علیہ السلام کے اقوال کے ساتھ ساتھ انجیل کے راویوں کے اقوال بھی خلط ملط ہیں اور یہ روایتیں باہم دگر مختلف بلکہ بعض جگہ بالکل متضاد ہیں۔ اتصال اور صحت کا سوال تو درکنار خود متن کا اضطراب اور اس کا بے سند ہونا بالکل واضح ہے"

نوعیت تحریف:

جن لوگوں نے انجیل کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس کا بڑا حصہ تمثیلی اسلوب میں ہے

بہت سے الفاظ مجازی معنوں میں استعمال کیے گئے ہیں۔ انجیل کا یہی مجازی اور تمثیلی اسلوب اس کے متبعین کے لیے فتنہ بن گیا۔

عیسائی علماء انجیل کی آیات کی تاویل کرتے وقت اپنے ہادیٔ برحق کے اس ارشاد کو بھول گئے کہ "آدمی لفظوں سے ہلاک ہوتا ہے اور معانی سے نجات پاتا ہے۔" وہ الفاظ پر جم کر رہ گئے نتیجۃً ہلاک ہوئے۔ اگر وہ معنیٔ مراد کی جستجو خلوص نیت کے ساتھ کرتے تو بامراد ہوتے کیوں کہ تمثیل و مجاز کے پردہ میں جو حقیقت مستور تھی وہ سیاق و سباق آیات پر تھوڑا سا تدبر کرنے سے بآسانی ظاہر ہو جاتی لیکن ظاہر الفاظ پر فریفتہ ہو کر وہ حق کے دیدار سے محروم ہو گئے۔[۲۴]

عیسائی علماء کی بیشتر تحریفات کا تعلق معدودے چند الفاظ سے ہے جن میں ابن، اب، رب اور ملکوت اللہ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ عبارتوں میں جو تحریف کی گئی ہے وہ دراصل انہی الفاظ کی غلط تاویل کا لازمی نتیجہ ہے۔ امام فراہیؒ نے مفردات القرآن میں اوّل الذکر تین الفاظ یعنی ابن، اب، اور رب کے واقعی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے عیسائی شارحین کی تحریفات کو مثالوں سے واضح کیا ہے، لکھتے ہیں:

> "عبرانی زبان میں لفظ ابن دو معنوں میں مستعمل ہے، ایک نسبت کے لیے مثلاً ابن السبیل، ابن اللیل و ابن صبح و ابن حول و سنۃ۔ دوسرے عبد کے معنی میں مثلاً الرجل، الفتی اور الغلام۔ ابن کا لفظ ولد کی طرح نہیں ہے کیوں کہ ولد کے لفظ میں اُبنیت کا مفہوم بالکل صریح طور پر پایا جاتا ہے۔ اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ قرآن مجید میں صرف ولد کے لفظ کی شناعت وارد ہے اور واضح کر دیا گیا ہے کہ لفظ ابن کے استعمال میں چونکہ شائبہ کفر ہے اس لیے اس کے استعمال سے بھی اجتناب لازمی ہے بالکل اسی طرح جیسے رب کا لفظ معبود کے مشابہ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید سے بالکل واضح ہے کہ انھوں نے ان دونوں لفظوں میں افراط سے کام لیا ہے۔"[۲۵]

ابن کے لغوی معنی کی وضاحت کے بعد وہ مزید لکھتے ہیں:

"انجیل میں جہاں ہم کو ابن اللہ کا لفظ ملے تو وہ دراصل عبداللہ ہے اور جہاں ابونا و ابوکم کے الفاظ وارد ہیں تو ان سے مراد ربنا و ربکم ہے جیسا کہ قرآن مجید نے ترجمہ کر دیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے خود اپنے لیے لفظ رب کے استعمال کی ممانعت کر دی تھی اور فرمایا کہ ہمارا رب واحد ہے اور وہ اللہ ہے اور ہم تم سب بھائی ہیں (ربُّنا واحدٌ وھُوَ اللّٰہ وانا وانتم اِخوۃٌ) لیکن نصاریٰ نے اس واضح تعلیم کو بدل دیا۔"[۲۶]

اس تبدیلی کی ایک واضح مثال متی کی درج ذیل آیات ہیں:

وَ یُحِبُّوْنَ الْمُتَّکَأَ الاوّلَ فی الولائم	وہ دعوتوں میں صدر نشینی اور عبادت خانوں
والمجالسَ الاُولیٰ فی المجامع و	میں اعلیٰ درجہ کی کرسیاں اور بازاروں میں
التحیاتَ فی الاسواقِ وأن یُدْعُوْھم	سلام اور آدمیوں سے ربی کہلانا پسند
الناسُ ربّی ربّی وَاَمَّا انتم	کرتے ہیں مگر تم ربی نہ کہلاؤ کیوں کہ
فلا تُدْعَوا ربّی لِاَنَّ ربّکم	تمہارا رب ایک ہے، مسیح اور تم سب بھائی
واحدٌ، المسیح وانتم جمیعاً	ہو اور زمین پر کسی کو اپنا رب نہ کہو کیوں کہ
اخوۃٌ ولا تدعوا لکم ربّاً علی	تمہارا رب ایک ہی ہے جو آسمانوں میں ہے
الارض لِاَنَّ ربّکم واحدٌ الذی فی السمٰوٰت	اور نہ تم معلم کہلاؤ کیوں کہ تمہارا معلم ایک ہی
ولا تُدْعَوا معلّمین لِاَنَّ معلّمکم	ہے یعنی مسیح اور جو تم میں بڑا ہے وہ تمہارا
واحدٌ المسیح واکبرکم یکونُ خادماً لکم	خادم ہے اور جو کوئی خود کو بڑا بنائے گا وہ
فمن یرفعُ نفسہٗ یتّضعُ ومن یضعُ	چھوٹا کیا جائے گا اور جو اپنے آپ کو چھوٹا
نفسہٗ یرتفعُ۔	بنائے گا وہ بڑا کیا جائے گا۔"[۲۷]

اوپر ہم نے متی کی انجیل سے جو اقتباس نقل کیا ہے وہ امام فراہیؒ کے رسالہ "مفردات القرآن" سے ماخوذ ہے۔ ان کی تصریح کے مطابق ان آیات میں جو تحریف کی گئی ہے وہ اب اور رب کے الفاظ سے متعلق ہے۔ چنانچہ بیروت کے عربی اڈیشن میں جیسا کہ امام فراہیؒ نے مفردات القرآن کے حاشیہ میں لکھا ہے، انھوں نے "ربی ربی" کی جگہ "سیدی سیدی" اور "لِاَنَّ ربّکم واحدٌ"

کی جگہ "لِاَنَّ مُعَلِّمَکُم واحدٌ" کے الفاظ رکھ دیئے ہیں۔ اسی طرح "ربّا علی الارض" کی جگہ "اَبًا علی الارض" اور "لِاَنَّ ربّکم واحدٌ" کی جگہ "لِاَنَّ اَباکم واحدٌ" کے الفاظ نے لے لی ہے۔ حسن اتفاق سے اس وقت ہمارے پیشِ نظر جو عربی اڈیشن ہے وہ بیروت ہی سے طبع ہوا ہے اور اس میں یہ تحریف موجود ہے، ملاحظہ ہو:

"وأن یدعُوَهم الناسُ سیدی سیدی وَاَمّا انتم فلا تُدعَوا
سیدی لِاَنَّ معلِّمکم واحدٌ المسیح وانتم جمیعًا اخوةٌ ولا تدعُوا
لکم أبًا علی الارض لِاَنَّ اَباکم واحدٌ الذی فی السمٰوات" [۲۸]

مذکورہ آیات کے انگریزی ترجمہ کے متعلق مولانا نے محولہ بالا حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس میں ربّی ربّی کے الفاظ تو باقی رکھے گئے ہیں لیکن بقیہ ترمیمات اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ اس کے علاوہ مترجم نے ایک اور ستم بھی ڈھایا ہے اور وہ یہ کہ لفظ "المسیح" اور "انتم جمیعًا اخوة" میں ایک علامت (؛) کے ذریعہ فصل کر دیا ہے جس سے مسیح کا تعلق "وانتم جمیعًا اخوة" کے بجائے ماقبل کی آیت سے قائم ہو گیا ہے۔ [۲۹] ہمارے پیشِ نظر بائبل کا جو انگریزی ترجمہ ہے اور نہایت قدیم ہے اس میں یہ فصل موجود ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"They like to have places of honour at feast and chief seats in synagogues, and greetings in the market, and to be called of men, Rabbi, Rabbi : But be not ye called Rabbi: for One is your master, even Christ; and all ye are brother, and call no man your father upon the earth : for One is your father, which is in heaven". [۳۰]

ایک دوسرے ترجمہ میں جو جدید انگریزی میں ہے مترجم نے سرے سے المسیح کا لفظ ہی غائب کر دیا ہے اور اس کی جگہ ربّی کے لفظ کو حرف کلاں (capital) سے لکھ دیا ہے، ترجمہ ملاحظہ ہو:

"But you must not be called "rabbi"; for you have one Rabbi

and you are all brothers".[۳۱ھ]

لیکن ان تمام تحریفات کے باوجود حضرت عیسیٰؑ کی یہ تعلیم کہ "تمہارا رب واحد ہے اور وہ اللہ ہے اور اس کے سوا کسی کو رب نہ کہو" اپنی جگہ قائم رہی۔ اس پر مزید گفتگو ہم آگے کریں گے۔

چوتھا لفظ ملکوت اللہ ہے جس کی عیسائی علماء نے اپنی نادانی کی وجہ سے غلط تاویل کی اور نتیجے کے طور پر خدا کی بادشاہی میں داخل ہونے کے شرف سے محروم ہو گئے اور ان کی قوم کا سواد اعظم آج تک محروم ہے۔

اس بات کی وضاحت گذشتہ صفحات میں ہو چکی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے بعد آنے والے نبی کے مُبشّر کی حیثیت سے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز ہی اس بشارت سے کیا۔ متی کی انجیل کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

> "اس وقت سے یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیوں کہ آسمان کی بادشاہی تمہارے نزدیک آگئی ہے۔"[۳۲ھ]

اس آسمان کی بادشاہی یا خدا کی بادشاہی سے عیسیٰ علیہ السلام کی کیا مراد تھی اس میں خود عیسائی مختلف رائے رکھتے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس سے عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی مراد ہے جب وہ ابن آدم اور لارڈ کی حیثیت سے دنیا میں تشریف لائیں گے اور زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کریں گے۔ اس کے برعکس دوسرا گروہ اس سے یہ مراد لیتا ہے کہ یہ دنیا جلد ہی ختم ہو جائے گی اور زمین پر خدا کی بادشاہت قائم ہو گی۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"The coming of God's kingdom implied the end of the world order as it was then known."[۳۳ھ]

لیکن موجودہ اناجیل میں جہاں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں ان پر سیاق و سباق کی روشنی میں غور کرنے سے عیسائیوں کے مذکورہ دونوں مکاتب فکر کی غلطی بالکل ظاہر ہو جاتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے نہ تو مادی دنیا کا اختتام مراد ہے اور نہ ہی عیسیٰ علیہ السلام کی

احمد ثانی اور ان کے ہاتھوں زمین پر خدا کی بادشاہت کا قیام بلکہ اس سے فی الواقع آخری پیغمبرؐ کی بعثت مراد ہے۔

اغلب ہے کہ متقدمین عیسائی علماء ملکوت اللہ کی اس حقیقت سے واقف تھے اسی لیے انھوں نے اس میں تحریف کی بھرپور کوشش کی ہے۔ امام فراہیؒ نے اپنے محولہ بالا رسالہ "الاکلیل فی شرح الانجیل" میں ملکوت اللہ سے متعلق متی اور مرقس کی ہم مضمون آیات نقل کرکے ان کے بیانات کے اختلاف و تضاد کو دکھایا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان میں تحریف کی گئی ہے۔

متی میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فریسیوں (فقہاء یہود) کے ایک مجمع سے سوال کیا کہ: ماذا تظنّون فی المسیح (ای مُلک الموعود) "مسیح کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے (یعنی ملک موعود کے بارے میں) اس سوال کے بعد جو آیات ہیں یعنی "ابنُ من ھو" سے "من ذالك الیوم لم تجسُر احدٌ أن یسأله" تک وہ عیسائی شارحین کا اضافہ ہے کیوں کہ وہ مذکورہ سوال کا ایک غیر متعلق جواب ہے۔ سوال نسب سے متعلق نہیں بلکہ ملکوت اللہ سے متعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جواب کی عبارت حد درجہ ژولیدہ بلکہ ناقابلِ فہم ہے اور یہ تحریف کا ایک ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

مرقس کی انجیل میں سر سے سے اس سوال "ماذا تظنّون فی المسیح" کو حذف کر دیا گیا اور صرف فریسیوں کے پہلے سوال "ایۃُ وصیۃٍ ھی اوّلُ الکلِ" کو نقل کیا گیا ہے۔ اس سوال کا عیسیٰ علیہ السلام نے جو جواب دیا اس کی تصدیق ایک شخص (غالباً وہ فریسی تھا) نے کی یعنی توریت میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اس تصدیق کو سن کر عیسیٰؑ نے فرمایا: لستَ بعیداً عن ملکوت اللہ "تم خدا کی بادشاہی سے دور نہیں ہو۔"

یہ عجیب بات ہے کہ متی میں ملکوت اللہ سے متعلق سوال تو ہے گو کہ غیر واضح ہے لیکن اس کا صحیح جواب حذف کر دیا گیا ہے اور مرقس میں جواب ہے لیکن صحیح سوال غائب ہے اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ دونوں اناجیل کے مؤلفین نے ملکوت اللہ کی حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

عیسیٰؑ علیہ السلام کا وہ وعظ جو پہاڑی وعظ کے نام سے مشہور ہے اس میں بھی ملکوت اللہ کا ذکر ہے۔ متی کی انجیل میں یہ وعظ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس کا آغاز ہی ان آیات سے ہوتا ہے۔

"مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی اُن ہی کی ہے ۝ مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے ۝ مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے ۝ مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے ۝ مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں کیوں کہ ان پر رحم کیا جائے گا۔ ۔ ۔ ۔ مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے سبب ستائے گئے کیوں کہ آسمان کی بادشاہی اُن ہی کی ہے۔"[۱۲۴]

امام فراہیؒ نے اس وعظ پر جو تفصیلی نقد و تبصرہ کیا ہے اس کا صرف وہ حصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں جس کا تعلق آسمان کی بادشاہی کی توضیح سے ہے، فرماتے ہیں:

"جس شخص نے انجیل کے نسخوں کو غور و تامل کے ساتھ پڑھا ہے اس سے یہ حقیقت مخفی نہ ہوگی کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایک آسمانی بادشاہت کی آمد کی بشارت دینے کے لیے آئے تھے۔ یہ آسمانی بادشاہت کیا تھی؟ ایک خالص دینی اقتدار جو پہلے یہود کو بخشا گیا تھا لیکن انھوں نے اس کو ضائع کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ہزاروں گردشوں کے بعد اب پھر اس کے دوبارہ ظہور کے لیے منتظر تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کو اس کے قرب کی بشارت سنائی اور متعدد ایسی تمثیلات سے اس کی حقیقت سمجھائی جو ٹھیک ٹھیک حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر منطبق ہوتی تھیں لیکن ان کی قوم کے عوام اس پر ایمان نہیں لائے اور علماء بھی چونکہ سخت دل اور سرو سامان دنیا کی طمع میں گرفتار ہو چکے تھے اس لیے انھوں نے ان کی مخالفت کی۔ بالآخر ان لوگوں سے مایوس ہو کر انھوں نے سادہ دل غریبوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کو منتخب کیا جو ہر قسم کے تعیشات اور سرو سامان دنیا کی آلائشوں سے پاک تھی اور

اس کو دعوت دی تاکہ جب آسمانی بادشاہت کا ظہور ہو تو وہ اس میں داخل ہونے کے لیے تیار رہے۔"[۳۵]

آگے مزید لکھتے ہیں:

"چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا تھا وہ مسیحیوں کے حالات پر ٹھیک ٹھیک منطبق ہو کے رہا۔ ان کے اندر ایک جماعت تو اپنے فقر و فاقے کی زندگی پر قائم رہی لیکن دوسری جماعت مسیح علیہ السلام کی نصیحتوں کو بھلا کر دنیوی زندگی کی لذتوں میں مشغول ہو گئی اور پھر وہی ہوا جس کی حضرت مسیح علیہ السلام نے اس خطبے کے آغاز میں خبر دی تھی یعنی دنیاداروں نے غریبوں کو غربت و ناداری کے طعنے دئیے اور ان کے قرب سے نفرت کرنے لگے۔ ان لوگوں کا گناہ صرف یہ تھا کہ انھوں نے اپنا تمام مال و متاع خدا کی راہ میں لٹا کر اپنے اوپر فقر و ناداری کی زندگی طاری کر لی تھی، توریت پر قائم تھے، خنزیر کو حرام سمجھتے تھے، ختنے کو ضروری خیال کرتے تھے، مسیح علیہ السلام کو اللہ نہیں بلکہ بندہ سمجھتے تھے، انجیل کے صرف عبرانی نسخے کو مانتے تھے جس کو اوروں نے ضائع کر دیا تھا اور پال کے شدید مخالف تھے جس نے نصرانیت کو بدل ڈالا تھا۔

جب یہ آسمانی بادشاہت جس کی حضرت مسیح علیہ السلام نے بشارت دی تھی حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے ظہور میں آئی تو ان فقراء کا بڑا حصہ اس میں داخل ہو گیا لیکن دولت مندوں نے اس کی مخالفت کی اور وہ اس آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے سے محروم رہے۔"[۳۶]

متی کی مذکورہ بالا آیات میں عیسائی علماء نے جو تحریف کی ہے اس کو بھی امام فراہیؒ نے کھول دیا ہے، لکھتے ہیں:

"حضرت مسیح علیہ السلام کے ان ارشادات کو اگر عام سمجھا جائے تو اس سے حضرت ابراہیم اور حضرت داؤد علیہما السلام جیسے جلیل القدر انبیاء کی سنتوں کی مخالفت لازم آتی ہے۔ ان بزرگ انبیاء نے خدا کی راہ میں جہاد کیے، اس کے لیے

فوجیں جمع کیں، مال اکٹھا کیا، اس کو اچھے مواقع پر صرف کیا اور کبھی دوسروں کی کمائی پر تکیہ نہیں کیا۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حصول کمال کے لیے ترک دنیا لازم ہے۔ یہ بات عیسائیوں کو بھی کھٹکی چنانچہ انھوں نے اس کو رفع کرنے کے لیے متی کی انجیل میں ایسے اضافے کر دیئے ہیں جس سے اصل کلام کی بالکل قلب ماہیت ہو گئی ہے۔ متی کے الفاظ یہ ہیں "مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں ... مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں" حالانکہ ان تبدیلیوں کے بعد بھی بقیہ کلام کی روح میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اصلی مخالف مال کے فقراء و مساکین ہیں، روح و دل کے فقرار و مساکین نہیں ہیں۔"[۳۷]

اس بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ انجیل میں شرح و تفسیر کے پردے میں حذف و اضافہ ہوا ہے اور امام فراہیؒ نے نہ صرف ان تحریفات سے پردہ اٹھایا ہے بلکہ ان کی اصلاح بھی کی ہے جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے واضح ہے۔

احترام انجیل:

یہ صحیح ہے کہ امام فراہیؒ نے انجیل میں تحریف کو تسلیم کیا ہے اور اس کی نشاندہی بھی کی ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے مذکور ہوا، لیکن اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ ان کی نظر میں موجودہ انجیل کسی ادب و احترام کی مستحق نہیں تھی جیسا کہ اکثر علماء اسلام کی تحریروں کو پڑھ کر اس قسم کا گمان ہوتا ہے۔

امام فراہی بعض تحریفات کے باوجود انجیل کا ایک آسمانی کتاب کی حیثیت سے پورا پورا احترام کرتے تھے کیونکہ قرآن مجید کی یہی تعلیم ہے کہ تمام کتب سماویہ پر کسی تفریق کے بغیر ایمان رکھا جائے وہ لکھتے ہیں:

"بعض مسلمان انجیل کی بعض عبارتوں کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ اگر وہ قرآن کی تعلیم سے ان کو مطابقت دے سکیں تو ان کو معلوم ہو کہ ان باتوں کے ماننے کی

سب سے بڑی ذمہ داری مسلمانوں ہی پر ہے۔ قرآن میں ہم کو متشابہات پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم کوئی وجہ نہیں دیکھتے کہ آخر یہ حکم دوسری آسمانی کتابوں کے متعلق بھی کیوں نہ ہو۔ قرآن مجید میں صاف وارد ہے کہ اگر ایک شخص ایک بات کی تاویل نہ جاننے کی وجہ سے اس کا انکار کر دے تو وہ سخت گنہگار ہے (بل کذبوا بما لم یحیطوا.....)

اسی کے مطابق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا تصدقوا اھل الکتاب "اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو (یعنی جو کچھ کتب مقدسہ سے روایت کریں اس کی تصدیق نہ کرو کیونکہ انھوں نے اس کو محفوظ نہیں رکھا) ولا تکذبوھم "اور نہ ان کی تکذیب کرو (کیونکہ ممکن ہے وہ ان باتوں میں سے ہو جس کی حقیقت ابھی ہمارے سامنے نہیں آئی ہے)"[۳۶]

اس اقتباس سے بالکل ظاہر ہے کہ امام فراہیؒ نے انجیل کا جائزہ ایک مخلص داعی کی حیثیت سے لیا اور اس کے جو تقاضے ہیں ان کو ملحوظ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے انجیل کی آیات پر نقد و تبصرہ کرتے وقت مناظرانہ لب و لہجہ اختیار نہیں کیا ہے جس سے مقصود صرف مخالف کے نقطۂ نظر کی تردید و تنقیص ہوتی ہے خواہ اس عمل سے مخالف کے قومی اور مذہبی جذبات یکسر پامال کیوں نہ ہو جائیں علماء اسلام نے انجیل اور اہل انجیل پر جو تنقیدیں کی ہیں ان میں مناظرانہ رنگ و آہنگ بالکل نمایاں ہے۔ اس سے نقصان یہ ہوا کہ عیسائی ردِ عمل کے طور پر قرآن مجید سے دور ہوتے گئے اس صورت حال پر اظہار خیال کرتے ہوئے امام فراہی بڑے کرب کے عالم میں لکھتے ہیں:

"بعض مسلمان انجیل کی آیتوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کا مذاق اڑائیں ان کی شکایت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کس سے کی جا سکتی ہے۔

مسلمانوں کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ان کو صرف خوبصورت انداز سے مباحثہ کی اجازت دی گئی ہے اور فریق مخالف کو برا بھلا کہنے سے نہایت سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔ اس چیز کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوا کہ ہم سے ان کی دوری بڑھتی گئی اور خلیج اختلاف وسیع تر ہوتی چلی گئی اور پھر لازمی نتیجہ کے طور پر

قبول حق سے بھی وہ محروم رہے۔ حالانکہ اگر یہ سچ ہے کہ حق باطل پر غالب رہتا ہے اور روشنی تاریکی کو مٹا دیتی ہے تو ہمارے اور ان کے درمیان اس سے بڑھ کر کوئی حجت نہیں ہو سکتی کہ ہم دونوں چیزوں کو ایک ساتھ برابر برابر رکھ دیں کہ جس کے اندر عقل اور مذاقِ سلیم موجود ہے وہ ان میں بہتر کو خود منتخب کرلے۔[۳۵]

امام فراہیؒ کا یہی داعیانہ جذبہ انھیں اس خیال کی طرف کھینچ کر لے گیا کہ وہ انجیل کی شرح لکھیں تاکہ اہل انجیل کی گمراہی کا سدِ باب ہو اور ان کے لیے قبولِ حق کی راہ کھل سکے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ایک مستقل مقدمہ میں ان باتوں کا ذکر کروں گا جو نصاریٰ کی گمراہی کا باعث ہوئیں اور جن پر ان کے موجودہ دین کی تمام عمارت قائم ہے مثلاً ابن اور اب کے الفاظ، روٹی اور شراب کا حضرت عیسیٰ کا گوشت اور خون بن جانا، یہ بات کہ وہ خداوند کے داہنے جانب بیٹھے ہیں، فرشتوں کی فوج میں اتریں گے اور قیامت کے دن عدالت کریں گے یہ بات کہ وہ فارقلیط کو بھیجیں گے جو نصاریٰ کو تمام تفصیلاتِ شریعت کی تعلیم دے گا، نیز یہ امر کہ ان کے زمانہ کے لوگ ان تمام باتوں کو دیکھیں گے جن سے انھوں نے ڈرایا ہے۔"[۳۶]

اس مقصد کے لیے وہ ایک رسالہ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، الاکلیل فی شرح الانجیل کے نام سے لکھنا چاہتے تھے لیکن اس کی تکمیل نہ کر سکے۔ پھر بھی یہ ناتمام رسالہ اس بات کی ایک قوی شہادت ہے کہ وہ اہل انجیل کے سچے بہی خواہ تھے اور ان کی نظر میں انجیل کا مرتبہ بہت بلند تھا۔

کیا انجیل میں حق موجود نہیں رہا؟

جب یہ کہا جاتا ہے کہ انجیل محرّف ہے تو اس کا مطلب عام طور پر لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس میں اب حق موجود نہیں رہا۔ حیرت تو اس وقت ہوتی ہے جب اس قسم کی بات اہل علم کی زبان سے سننے کو ملتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ انجیل کا مطالعہ نہیں کرتے۔ انجیل کو

چھوڑیئے کہ وہ ان کے نزدیک محرّف ہے، خود قرآن مجید کی آیات میں تدبر کرنے والے ان میں کتنے ملیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ انجیل میں حق اب بھی موجود ہے۔ سیاق وسباقِ آیات اور نظائر سے اور سب سے بڑھ کر قرآن مجید سے نہ صرف تحریف کا سراغ مل جاتا ہے بلکہ اصل تعلیم بھی معلوم ہوجاتی ہے امام فراہیؒ کا یہی نقطۂ نظر تھا جیسا کہ ایک جگہ انھوں نے لکھا ہے:

"حضرت مسیح علیہ السّلام نے ایک دوسرے شبہ کو بھی رفع کیا اور واضح فرمایا کہ دنیا کو یک قلم ترک کردینا اصل کمال نہیں ہے، یہ کمال اضافی ہے۔ ترکِ دنیا کی شکل میں انسان گناہوں سے جو پاکی حاصل کرتا ہے وہ امتحان سے فرار اختیار کرکے حاصل کرتا ہے اور یہ ترک دنیا کی سنت انھوں نے ان لوگوں کی تعلیم کے لیے اختیار کی ہے جو پورے کمال کے حصول سے عاجز ہیں چنانچہ فرمایا "شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں بلکہ ہر ایک جب کامل ہوا تو اپنے استاد جیسا ہوگا" (لوقا) لیکن بعد کے مبتدعین اس بات پر راضی نہیں ہوئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی سنت محض ایک اضافی کمال کی سمجھی جائے چنانچہ انھوں نے متی کی روایت میں اضافہ کردیا کہ "پس چاہیئے کہ تم کامل ہو جیسا کہ تمہارا آسمانی باپ کامل ہے" اور لوقا کی روایت میں اس جملے کے بجائے یہ الفاظ رکھ دیئے گئے "جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم بھی رحمدل ہو" حالانکہ ان الفاظ کی کراہت نہایت نمایاں ہے۔ کوئی بندہ اپنے پروردگار کے برابر کیونکر ہوسکتا ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ تحریف کرنے والوں کی ان تمام دراندازیوں کے باوجود حق غالب رہا اور انجیل میں ایسی تصریحات ان کی خواہش کے خلاف باقی رہ گئیں جن سے ایک طرف تو ہر طرح کے شائبہ شرک کی نفی ہوتی ہے اور دوسری طرف یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا کمال ایک اضافی کمال تھا جو فقراء کے لیے مخصوص ہے۔"[۱۴]

زیرِ بحث مسئلہ یعنی امام فراہی کے مذکورہ الفاظ میں "تحریف کرنے والوں کی تمام دراندازیوں

کے باوجود حق غالب رہا۔ چونکہ نہایت اہمیت کا حامل ہے اکثر لوگوں کے لیے باعث استعجاب بھی۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تھوڑی تفصیل کردی جائے تاکہ امام فراہی کا نقطۂ نظر پوری طرح واضح ہوجائے۔ اس مقصد کے لیے ہم ان تین لفظوں کو لیتے ہیں جو عیسائی علماء کی تحریف کا سب سے زیادہ نشانہ بنے ہیں یعنی رب، ملکوت السمٰوٰت اور احمد (فارقلیط) اوّل الذکر کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور موخرالذکر دو لفظ ختم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں۔

رب اور ملکوت السمٰوٰت پر گذشتہ صفحات میں گفتگو ہوچکی ہے اس لیے یہاں صرف اسی قدر بحث کی جائے گی جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ ان لفظوں میں تحریف کے باوجود ان کی معنوی حقیقت اب بھی بے داغ ہے۔ گفتگو کا آغاز ہم لفظ رب سے کرتے ہیں۔

عیسائیوں کا موجودہ عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے لارڈ یعنی رب ہیں اور اسی حیثیت سے وہ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ لیکن یہ عقیدہ عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ انھوں نے واضح لفظوں میں ایک اللہ کے سوا کسی اور کو رب کہنے سے منع کردیا تھا اور اس ممانعت میں اپنی ذات کو بھی شامل کیا تھا۔ لیکن بعد کے مبتدعین نے اس تعلیم کو بدل دیا۔ اس سلسلے میں ہم متی کی انجیل سے بعض آیات پہلے نقل کرچکے ہیں۔ ان محرّف آیات پر دوبارہ ایک طائرانہ نگاہ ڈال لیں، فرمایا:

> "بازاروں میں سلام اور آدمیوں سے ربّی کہلانا پسند کرتے ہیں ہ مگر تم ربّی نہ کہلاؤ کیونکہ تمہارا استاد ایک ہی ہے اور تم سب بھائی ہو ہ اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانوں میں ہے ہ اور نہ تم ہادی کہلاؤ کیونکہ تمہارا ہادی (معلم) ایک ہی ہے یعنی مسیح ہ"[۲۱]

اس اقتباس میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے "تمہارا رب ایک ہے" کی جگہ "تمہارا استاد ایک ہی ہے" کے الفاظ رکھ دیئے گئے ہیں صرف اس لیے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لارڈ یعنی رب مانتے ہیں اور آیت میں اس کی ممانعت تھی۔ لیکن کیا اس لفظی تحریف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم باقی نہیں رہی؟

ذرا سیاق و سباق آیات پر ایک نظر ڈال لیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ "تمہارا رب ایک

ہی ہے" کی جگہ " تمہارا استاد (معلم) ایک ہی ہے" اصل آیت تھی تو اس تعلیم کے ذکر کی یہاں مطلق ضرورت نہ تھی کیونکہ یہی تعلیم اسی سلسلۂ کلام میں ایک آیت کے بعد موجود ہے اور وہ آیت یہ ہے "اور نہ تم معلم کہلاؤ کیونکہ تمہارا معلم (استاد) ایک ہی ہے یعنی مسیح" کیا اس سے بالکل ظاہر نہیں ہو جاتا کہ اصل آیت " تمہارا رب ایک ہی ہے" تھی جسے عیسائی علماء نے بدل کر " تمہارا استاد ایک ہی ہے" کر دیا ہے۔

لیکن انجیل کے دوسرے مقامات پر اب بھی یہ تعلیم موجود ہے مثلاً متی کی انجیل کے شروع ہی میں جہاں ابلیس کے ذریعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آزمائش کا بیان ہے، یہ آیت موجود ہے:

"یسوع نے اس سے کہا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔"[۲۵]

اس آیت میں خداوند کا لفظ رب کا ہم معنی ہے جسے انگریزی میں لارڈ کہتے ہیں گویا خدا ہی انسانوں کا لارڈ ہے اور اسی کی عبادت کی جانی چاہئے۔ متی ہی میں ایک دوسری جگہ یہ تعلیم اور زیادہ واضح طور پر موجود ہے۔ فریسیوں (یہودی فقہاء) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آزمانے کے لیے سوال کیا" اے استاد توریت میں کون سا حکم بڑا ہے" آپ نے فرمایا "خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے"[۲۶]

اس آیت میں بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ خدا کے ساتھ خداوند کا لفظ ایک ہی ذات واجب الوجود کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس طرح کے مقامات انجیل میں اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ مشکل ہے۔

کیا ان آیات کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ انجیل میں توحید کی تعلیم موجود نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ ان آیات کے باوجود عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لارڈ کیوں مانتے ہیں تو اس کا جواب بالکل واضح ہے۔ قرآن مجید میں واضح لفظوں میں بکثرت مقامات پر لکھا ہے کہ تمام انبیاء بشر تھے اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر تھے لیکن اس واضح تعلیم کے باوجود کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ آپ کو فوق البشر مانتا ہے۔ وجہ دونوں جگہ ایک ہے یعنی علماء سوء جو تاویل کے ذریعہ کچھ کو کچھ بنا دینے کے فن میں طاق ہوئے ہیں۔

ملکوت اللہ کے لفظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مراد جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تھی اس لیے عیسائی علماء نے ان تمام مقامات پر جہاں اس بشارت کا ذکر ہے ایسے الفاظ اور جملے بڑھا دیے ہیں جن سے ان آیات کا انطباق خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ہو سکے۔ اس کوشش میں وہ بعض مقامات پر کامیاب بھی ہوئے ہیں لیکن انجیل میں اب بھی ایسے مقامات محض خدا کے فضل و کرم سے باقی ہیں جو صاف طور پر شہادت دیتے ہیں کہ آسمان کی بادشاہی سے مراد ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور چیز ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ مثال کے طور پر متی کی یہ آیات ملاحظہ فرمائیں:

"ایک اور تمثیل سنو۔ ایک گھر کا مالک تھا جس نے تاکستان لگایا اور اس کے چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور برج بنایا اور اسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دے کر پردیس چلا گیا ○ اور جب پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا ○ باغبانوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا اور کسی کو قتل کیا اور کسی کو سنگسار کیا ○ پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا جو پہلوں سے زیادہ تھے اور انھوں نے ان کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا ○ آخر اس نے اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے ○ جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا یہی وارث ہے آؤ اسے قتل کر کے اس کی میراث پر قبضہ کر لیں ○ اور اسے پکڑ کر تاکستان سے باہر نکالا اور قتل کر دیا ○ پس جب تاکستان کا مالک آئے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ ○ انھوں نے کہا ان بدکاروں کو بری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں ○ یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ "جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے"؟ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے

پھل لائے دیدی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا
لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔[۵۵]

متی کی انجیل میں اور بھی دلچسپ اور معنی خیز تمثیلات اس بارہ میں بیان ہوئی ہیں۔ جی نہیں چاہتا کہ رہوارِ قلم کو اس مقام پر روک دوں لیکن خوف طوالت بھی دامن گیر ہے اس لیے اس ایک تمثیل پر اکتفا کرتا ہوں۔ جو لوگ دلچسپی رکھتے ہوں وہ متی باب ۱۳ (آیات ۲۴ تا ۴۳) باب ۱۸ (آیات ۱ تا ۶) باب ۲۰ (آیات ۱ تا ۱۶) باب ۲۲ (آیات ۱ تا ۱۴) ملاحظہ فرمالیں۔

اب لفظ احمد کو لیں۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے :

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْ	اور اسی طرح وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے)
اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ	جب کہ عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل
مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ	میں اللہ کا رسول ہوں، تمہاری طرف بھیجا گیا
وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی	ہوں، مجھ سے پہلے جو توراۃ (آچکی) ہے
اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ ؕ	اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے
(الصف : ۶)	بعد جو ایک رسول آنے والا ہے جس کا نام
	احمد ہے، اس کی بشارت دینے والا ہوں۔

آیۂ مذکورہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے رسول کا نام احمد بتایا تھا۔ غالباً تاریخ انبیاء میں یہ واحد مثال ہے کہ کسی نبی نے اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت اس کے نام کے ساتھ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس واضح اور متعین بشارت کے بعد عیسائیوں کے لیے آخری پیغمبر پر ایمان لانا نہایت آسان تھا، لیکن قومی اور مذہبی تعصب کا بُرا ہو کہ عیسائی علماء نے انجیل کے ترجمہ کے وقت اس نام میں تحریف کردی۔

انجیل کا سب سے پہلا ترجمہ یونانی زبان میں ہوا۔ اس میں احمد کا مترادف لفظ —— PERICLYTOS ہے۔[۵۶] لیکن اسی سے ملتا جلتا ایک دوسرا لفظ PARACLETUS بھی ہے۔ عیسائی علماء نے اس صوتی اور کسی قدر لفظی مشابہت سے فائدہ اٹھایا اور اسی کا ترجمہ مددگار کردیا۔ لیکن کیا اس تحریف سے انجیل کے اندر سے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت معدوم

سو گئی؟ نہیں، ان کی ہر ممکن سعی کے باوجود یہ بشارت غیر مبہم الفاظ میں آج بھی موجود ہے انجیل یوحنا کی درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

"اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے"[57]

"میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار یعنی روح القدس[58] جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا"[59]

"لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا"[60]

"اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں"[61]

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا"[62]

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے ۰ لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا"[63]

کون عیسائی کہہ سکتا ہے، ضد اور تعصب کی بات دوسری ہے، کہ آیات مذکورہ بالا میں ٹھیک ٹھیک اس بشارت کا ذکر نہیں ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید کی سورہ صف میں آیا ہے۔

اس گفتگو سے واضح ہو گیا کہ انجیل میں تحریفات کے باوجود حق اب بھی موجود ہے۔ اس کی وجہ انجیل کا تمثیلی اسلوب ہے جس کی وجہ سے تحریف کرنے والے اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ اگر اس میں حق موجود نہ ہوتا تو قرآن مجید میں عیسائیوں کو اس کی اقامت کا حکم نہ دیا جاتا۔ آیات ذیل اس باب میں حجت قطعی کی حیثیت رکھتی ہیں، فرمایا گیا:

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ط (مائدہ : ۶۸)	(اے پیغمبر) کہو کہ اے اہل کتاب تم کسی (راست) چیز پر نہیں ہو (یعنی بے راہ ہو) جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو اور اس چیز کو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس بھیجی گئی ہے، قائم نہیں کرتے۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے :

وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ ط..... ٥ (مائدہ : ۶۶)	اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور اس چیز کو جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی ہے قائم کرتے (یعنی اس کے احکام کی پابندی کرتے) تو یہ لوگ اپنے اوپر سے اور اپنے نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے۔

ہمارے علماء نے چونکہ مان لیا ہے کہ توریت اور انجیل سراسر محرّف ہیں اس لیے ان کو مذکورہ بالا آیات کے فہم میں سخت ذہنی خلجان سے دوچار ہونا پڑا۔ تورات اور انجیل کی اقامت کا قرآنی حکم اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے جب یہ مان لیا جائے کہ ان کتابوں میں حق آج بھی موجود ہے کیونکہ محرّف کتابوں کی اقامت کے کوئی معنی نہیں۔ اس مشکل کا حل یہ دعویٰ بلا دلیل پیش کر کے نکالا گیا کہ ان کتابوں سے وہ توریت اور انجیل مراد نہیں جو اس وقت پائی جاتی ہیں بلکہ وہ کتابیں مراد ہیں جو عہدِ نبوی میں تھیں اور اب مفقود ہو چکی ہیں۔

اگر علمائے کرام آیات مذکورہ پر نگاہ تدبّر ڈال لیتے تو ان کو اس دور از کار تاویل کی ضرورت پیش نہ آتی۔ قرآن مجید نے اہل کتاب کو صرف توریت اور انجیل کی اقامت کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ اس میں قرآن مجید کی اقامت بھی شامل ہے "وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ" کے الفاظ سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ قرآن مجید کو ان کتابوں کا مہیمن[۴۲] کہا گیا ہے اس لیے ان کتب ثلاثہ کی اقامت کے معنی دراصل قرآن مجید ہی کے اقامت کے ہیں۔ جو لوگ قوموں کی نفسیات اور ان کے قومی و مذہبی تعصبات پر نظر رکھتے ہیں وہ اس

بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اقامت قرآن کے ساتھ اہل کتاب کو توریت اور انجیل کی اقامت کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔ راقم سطور کے نزدیک قرآن مجید کی یہ دعوت آج بھی اہل کتاب کے لیے اسی طرح کھلی ہوئی ہے جس طرح عہد نبوی میں تھی اس لیے کہ ان میں حق آج بھی موجود ہے۔

خاتمۂ کلام :

گذشتہ صفحات میں ہم نے انجیل کے بارہ میں امام فراہیؒ کے نقطۂ نظر کا جو تفصیلی جائزہ لیا ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ انھوں نے انجیل کا جائزہ ایک مخلص داعی کی حیثیت سے لیا ہے۔ انھوں نے انجیل میں تحریفات کا سراغ اس لیے نہیں لگایا کہ اس سے عیسائیوں کو مذہبی احساس کمتری کی نفسیات میں اور مسلمانوں کو احساس برتری کے فریب میں مبتلا کریں بلکہ اس کی غرض محض یہ تھی کہ ان پر حق کی راہ کھل سکے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اگر ایک طرف عیسائی شارحین کی تحریفات کی پردہ دری کی تو دوسری طرف محرف آیات کی صحیح تاویل بھی پیش کی ہے۔ یہ طرز عمل امام فراہیؒ کو انجیل کے دوسرے مسلم ناقدین سے ممتاز کرتا ہے اور اہل علم کے لیے کتب سماویہ کے مطالعہ کی صحیح راہ اور سمت متعین کرتا ہے۔

حواشی و مراجع

۱؎ ان معانی کے لیے دیکھیں ابن منظور، لسان العرب، بیروت ۱۹۵۶ء ۱۱/۶۴۸

۲؎ محمد مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس، بیروت، ۸/۱۳۸

۳؎ علامہ زمخشری، الکشاف، مصر، ۱۳۵۴ھ، ۱/۳۷

۴؎ ناصر الدین بیضاوی، انوار التنزیل و اسرار التاویل (تفسیر بیضاوی) مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۲۸۲ھ، ۶۲

۵؎ رشید رضا مصری، تفسیر المنار، مصر، ۱۳۳۴ھ، ۳/۱۵۸

۶؎ تاج العروس ۸/۱۳۸

۷؎ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ انجیل حبشی لفظ WANGEL کا معرب ہے۔

راقم کے نزدیک یہ تحقیق صحیح نہیں ہے (دیکھیں ج ۳ ص ۱۲۵)

8. Encyclopaedia of Religion and Ethics, New York, 1987, 6/7980

9. IBID

10. Encyclopaedia Britannica, 1950, 3/22

11. Jewish Encyclopaedia, 8/503 (article: Messiah)

۱۲ امام رازی، الملل، مصر (ب۔ت) ۲/۲۔۳۹

۱۳ تفسیر المنار، ۳/۴۹۔۱۵۸

۱۴ عبدالحق حقانی، فتح المنان، لاہور ۱۳۶۳ھ ۴/۴۶

جوشِ تنقید میں مولانا قرآن مجید کی یہ آیت (قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین) عمران: ۹۳ بھول گئے۔

۱۵ ان ہی کی کتاب اظہار الحق بھی ہے جو میزان الحق کے جواب میں لکھی گئی ہے جو ایک پادری کی تالیف ہے۔

۱۶ عیسائی علماء اور محققین کی ایک جماعت بھی تسلیم کرتی ہے کہ موجودہ اناجیل محرف ہیں۔ مشہور جرمن ڈاکٹر مل (MILLL) نے ۱۷۰۷ء میں اور ریٹ شٹائن (ROTHSTEIN) نے ۱۷۵۱ء میں بڑی تحقیق و تدقیق سے ثابت کیا ہے کہ عہد نامۂ جدید میں تحریف موجود ہے۔ مشہور مصنف برکٹ (F.C. Burkit) نے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (۳/۵۱۸) میں تحریف کی متعدد مثالیں دی ہیں۔ لیکن ان تحریفات کا تعلق زیادہ تر متن سے ہے۔ علمائے اسلام نے بھی تحریف کی جو مثالیں دی ہیں ان کا تعلق بھی متن سے ہے اور یہ بالکل صحیح ہے جیسا کہ ہم آگے وضاحت سے بتائیں گے۔

۱۷ الاکلیل فی شرح الانجیل (مخطوطہ، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ)

۱۸ مقدمہ تفسیر نظام القرآن ص ۲۰

۱۹ تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی ۱۹۸۹ء، ۸/۳۶۲

۲۰ سید ابوالحسن علی الندوی، منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین، لکھنؤ، ۱۹۷۵ء، ص ۲۳۲

۲۱ محمود عقاد، عبقریات المسیح

۲۲ مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص ۲۸

۲۳ اقسام القرآن (اردو ترجمہ امعان فی اقسام القرآن) دائرہ حمیدیہ سرائے میر (اعظم گڑھ)، ص ۱۲۲، ۱۲۳

۲۴ے تمثیل سے صرف عیسائی علماء ہی گمراہ نہیں ہوئے ہیں خود مسلمانوں کے متعدد علماء وصوفیاء بالخصوص وجودی صوفیاء بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکے ہیں۔ مثلاً وہ حدیث قدسی جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت فرمائے گا " اے ابن آدم میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہ کی۔ بندہ عرض کرے گا: میں تیری عیادت کیسے کرتا کہ تو رب العٰلمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہ کی۔ اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا ....." اس تمثیل کا جو مفہوم محی الدین ابن عربی نے سمجھا ہے اس سے اہل علم بخوبی واقف ہیں۔ اسی طرح کی اور بھی تمثیلی احادیث ہیں جن کا مفہوم صوفیاء نے بالکل غلط سمجھا ہے۔

۲۵ے مفردات القرآن، مطبع اصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۳۵۸ھ، ص۱۰۔ اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحقیق یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں لفظ "ابن" مقرب، محبوب اور مختار کے ہم معنی تھا اور اس کی نظیر انجیل میں کثرت سے موجود ہے (دیکھیں: الفوزالکبیر فی اصول التفسیر (اردو ترجمہ)، مکتبہ برہان، دہلی ۱۹۶۳ء، ص۱۸) توریت سے ہمیں اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔ کتاب سموئیل میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:
"اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے اور تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سو جائے گا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیری صلب سے ہوگی، کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو قایم کروں گا۔ وہی میرے نام کا گھر بنائے گا اور میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ کے لیے قایم کروں گا اور میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا (باب ۷: ۱۲ تا ۱۴)

۲۶ے مفردات القرآن، ص۱۰

۲۷ے انجیل متی (الکتاب المقدس، ای کتب العہد القدیم والعہد الجدید) بیروت، ۱۹۳۰ء، باب ۲۳: ۶ تا ۱۲

۲۸ے انجیل متی باب ۲۳: ۸ تا ۱۰

۲۹ے مفردات القرآن، ص۱۱،

30. Mathew, HolyBible-Old and New Testament, London, 1911 Chapter 23 : 6-11.

31 New English Bible - New Testament

۳۲ے متی باب ۴: ۱۷

33. Encyclopaedia of Religion and Ethics, 2/184.

۳۴ متی باب ۵: ۱ تا ۱۰

۳۵ اقسام القرآن، ص ۱۳۲-۱۳۳

۳۶ حوالہ سابق، ص ۱۳۳

۳۷ اقسام القرآن، ص ۱۲۸-۱۲۹، یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثر مقامات پر عیسائی علماء اس وجہ سے تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں کہ وہ کلام کی حقیقی مراد سمجھنے سے قاصر رہے جیسا کہ اس اقتباس سے بالکل ظاہر ہے۔

۳۸ مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص ۴۱

۳۹ مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص ۴۳-۴۴

۴۰ مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ص ۴۳

۴۱ اقسام القرآن، ص ۱۲۶ ۴۲ متی باب ۲۲: ۷ تا ۱۱

۴۳ متی باب ۲: ۱۰، ۱۱ ۴۴ متی باب ۲۲: ۳۶-۳۷

۴۵ متی باب ۲۱: ۲۳ تا ۴۵

۴۶ سریانی میں اس کا مترادف منحنا اور رومی (لاطینی) میں برقلیطس ہے (سیرۃ ابن ہشام، مطبع محمد علی صبیح، القاہرہ، ۱/۱۴۹)۔

۴۷ متی باب ۱۴: ۱۶، ۱۷، اس کے آگے کی آیت ہے یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی ہے الحاقی ہے

۴۸ یہ عیسائی علماء کا تفسیری جملہ ہے اس لیے الحاقی ہے

۴۹ متی باب ۱۴: ۲۵، ۲۶ ۵۰ متی باب ۱۵: ۲۶

۵۱ متی باب ۱۲: ۳۰ ۵۲ متی باب ۱۶: ۷

۵۳ متی باب ۱۶: ۱۲، ۱۳

۵۴ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقاً لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمنا علیہ (المائدہ ۴۸)